بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اشارات

کئی مہینے سے پرچہ مسلسل تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ خریداروں کی شکایات جس قدر بڑھتی جاتی ہیں میری شرمندگی بھی اسی قدر بڑھ رہی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ تاخیر کے جو اسباب ہیں اُن کا علاج میرے اختیار میں نہیں۔ تاوقتیکہ رسالہ کے ہمدرد اور قدرشناس میری اعانت نہ کریں، میں ان مشکلات کو دفع نہیں کر سکتا جن کی وجہ سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ اگر یہ کوئی تجارتی رسالہ ہوتا اور میں نے اپنی ذاتی غرض کے لیے اسکو جاری کیا ہوتا تو بلاشبہہ اس کو چلانے یا نہ چلانے کی ذمہ داری تمام تر میری ذات پر ہوتی۔ قوم کو یہ کہنے کا حق تھا کہ ہمیں تمہاری مشکلات سے کیا بحث۔ چیز اچھی دوگے اور وقت پر دوگے، خریدلیں گے، نہ دوگے نہ خریدیں گے۔ لیکن شاید یہ بات میں کسی خودستائی و استکبار کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ ترجمان القرآن سے میرا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں، بلکہ پوری قوم کا مفاد وابستہ ہے۔ گو اپنی حد تک میں اپنا فرض سمجھ کر ہی اس کو چلا رہا ہوں، اور اپنے آپ ہی کو اس کا ذمہ دار سمجھتا ہوں، مگر کم از کم مجھے یہ کہنے کا حق تو ضرور ہے کہ جس طرح اس خدمت کو انجام دینا میرا فرض ہے، اسی طرح مجھے اس کی انجام دہی کے قابل بنانا قوم کا بھی فرض ہے۔ میں اپنے ان دوستوں اور ہمدردوں کا دل سے شکرگذار ہوں جنہوں نے رسالے کی اشاعت بڑھانے میں میری مدد کی ہے۔ لیکن محض چند افراد کی کوششوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ ضرورت تو اجتماعی کوشش کی ہے۔ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ اگر اس پرچہ کو زندہ رکھنا ہے اور فی الواقع اس کی زندگی کی کوئی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اس کے تمام ہمدردوں کو خاص طور پر توسیع اشاعت

کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آئندہ پانچ مہینوں میں اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونا ہے اگر خریداروں کی تعداد میں کافی اضافہ نہ ہوا، تو میں عرض کیے دیتا ہوں کہ محض ساڑھے تین سو خریداروں سے اس معیار کے پرچے کو چلانا میری قدرت سے باہر ہے۔

---

اس رسالہ میں اب تک متعدد مضامین ایسے شائع ہو چکے ہیں جن کا محض ایک مرتبہ رسالہ میں شائع ہو جانا کافی نہیں، بلکہ انہیں مستقل کتابی صورت میں طبع کرنے اور کثرت سے پھیلانے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر چند مضامین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کے عنوانات دیکھ کر ناظرین کو ان کی اہمیت یاد آجائے گی۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی۔

قومیت اسلام (فتنۂ وطن پرستی کا رد)

قرآن اور حدیث (فتنۂ انکار حدیث کا رد)

رسالت (ایمان بالرسالت کی اہمیت اور ان بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ جو رسالت کے باب میں پائی جاتی ہیں)

اسلام اور ضبط ولادت

عبادت

حقوق الزوجین

سود

پردہ

ان کے علاوہ اشارات کے زیر عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے اگر اس کے بھی متعدد مجموعے مختلف عنوانات کے تحت مرتب کر کے شائع کیے جائیں تو یقیناً مفید ثابت ہوں گے۔ ممکن ہے کہ فروع میں کسی کو مجھ سے

اختلاف ہو۔ اور ایسا کون ہے جس کی ہر بات سے ہر شخص متفق ہو جائے لیکن اصول کی حد تک میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے مذکورۂ بالا مضامین کو پڑھا ہے وہ بالاتفاق تسلیم کریں گے کہ میں نے ایک صحیح اور متوسط راستہ کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی ہے، اور اسلامی تعلیمات کی تشریح و تفہیم میں وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور ضروریات زمانہ کے مطابق ہے۔ دور جدید کی گمراہیوں کے استیصال اور مسلمانوں کے بگڑے ہوئے نقطۂ نظر کی اصلاح اور ان کے اندر دین کی سمجھ اور عمل کی روح اور اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ان مضامین کی اشاعت ضروری ہے، اور حالات جس قدر زیادہ بگڑتے جاتے ہیں اسی قدر یہ ضرورت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ میں ایک مدت سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا۔ مگر میری خواہش یہ تھی کہ مجھے خود اپنی قوت بازو سے اس کام کو انجام دینے کی توفیق میسر آجائے اور کسی سے مدد مانگنے کی حاجت نہ ہو۔ اسی انتظار میں مہینوں پر مہینے اور سال پر سال گزر گئے۔ اب دیکھتا ہوں کہ ایک طوفان عظیم مسلمانوں کے سر پر آپہنچا ہے، اور اس طوفان سے ان کا سلامت گزر جانا غیر اس کے ممکن نہیں کہ ان کے اندر دین کی سمجھ اور طریق اسلام و طریق کفر و فسق کی تمیز پیدا کی جائے۔ اسی خطرہ نے مجھ کو اپنی ہٹ سے باز آجانے پر مجبور کر دیا ہے اور آج میں دلی کراہت کے ساتھ اس کام میں اپنی قوم کے دولتمندوں سے مدد مانگتا ہوں۔

---

اجتماعی مفاد کے لیے اجتماعی کوشش ناگزیر ہے۔ تنہا ایک شخص اپنی قوت اور اپنے ذرائع سے کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا۔ خود ہمارے آقا و مولیٰ علیہ و علیٰ آلہ التحیۃ والسلام نے بھی تبلیغ دین اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی امت سے مدد لی ہے۔ پس اگر ان کی ملت کا ایک خادم اسی کام کے لیے قوم سے مدد مانگے تو یہ کوئی عیب نہیں۔ لیکن جو چیز آج تک مجھ کو یہ طریقہ اختیار کرنے سے روکتی رہی، اور جس کی وجہ سے آج بھی میں اس میں کراہیت محسوس کرتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ ایک طرف قومی کارکنوں نے اپنی

حرکات سے نہ صرف اپنا بلکہ قومی خدمت کا بھی اعتبار کھو دیا ہے اور دوسری طرف آج کل مسلمانوں کے حوصلے پست اور اخلاق ان سے بھی زیادہ پست ہو گئے ہیں۔ اول تو خدا کی راہ میں صرف کرنے کا خالص جذبہ ہی ان میں برائے نام باقی رہ گیا ہے۔ پھر اگر وہ اس راہ میں کچھ نکالتے بھی ہیں تو دل کی تنگی ان کے نفس میں ہزار قسم کی بدگمانیاں پیدا کرتی ہے اور اس پر اخلاق کی یہ حالت ہے کہ اپنے ایک بھائی کو بے ایمان، خائن، چور کہہ دیتے ہیں ان کو ذرا تامل نہیں ہوتا۔ پچھلے چند برسوں میں پبلک فنڈ سے کام کرنے والوں کی جو رسوائیاں ہو چکی ہیں ان کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں ایسی حالت میں کسی عام چندہ کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے میری روح کانپتی ہے۔ مگر چونکہ کام ضروری ہے اور وقت کا تقاضا شدید ہے اس لیے بڑے تامل اور کافی غور و خوض کے بعد میں نے ایک تجویز سوچی ہے اور اس کو یہاں بیان کیے دیتا ہوں۔

---

تجویز یہ ہے کہ ترجمان القرآن کے ناظرین میں سے جو اصحاب ذی استطاعت ہوں وہ اس مد میں صرف سو سو روپے بخشش دے دیں۔ اگر پچیس تیس آدمی بھی ایسے نکل آئیں تو ڈھائی تین ہزار کی رقم جمع ہو سکتی ہے جس سے مذکورۂ بالا رسائل بآسانی طبع کرا لیے جائیں گے۔ ان رسالوں کی قیمت لاگت سے دس فی صدی زیادہ رکھی جائے گی اور ان کی فروخت سے جو کچھ وصول ہوگا اس کو انہی رسالوں کی دوبارہ اشاعت اور ایسے ہی دوسرے رسالوں کی اشاعت کے لیے مخصوص رکھا جائیگا۔ میں خود اس کو استعمال کروں گا، نہ ترجمان القرآن میں صرف کروں گا۔ تمام حسابات باقاعدہ رکھے جائیں گے اور ہر تیسرے مہینے یا چھٹے مہینے معطی صاحبان کے پاس بھیج دیے جائیں گے۔ کسی معطی کا نام شائع نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مسلمان کی خیرات کا اشتہار دینا دراصل اس کے روپے کو ضائع کرنا ہے اور ایسے بذل مال میں کوئی برکت بھی نہیں ہوتی جس میں ریا اور نمائش کا جذبہ شامل ہو جائے۔ صرف

وہی حضرات اس کام میں حصہ لیں جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب ہوں اور آخرت کے ثواب کا یقین رکھتے ہوں۔ چھوٹے چھوٹے متفرق چندے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیے جائیں گے، اس لیے کہ میں معطیوں کی تعداد محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ پچیس تیس آدمیوں کو حساب با سانی دے سکوں گا مگر ہزار آدمیوں کو حساب دینا میرے بس کا کام نہیں۔

---

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو لاگت سے دس فی صدی زیادہ قیمت رکھنے پر اعتراض ہو، لہٰذا رفع شک کے لیے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ترجمان القرآن میں ابھی اور بہت سے مضامین شائع ہونے والے ہیں جو نہایت اہم مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ عنقریب ایک مضمون کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے جس میں کمیونزم پر مفصل تنقید ہوگی اور اصول اسلام سے اس کا تقابل کیا جائے گا۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کی تکمیل بھی کرنی ہے۔ اب تک اس کے صرف تین باب لکھے گئے ہیں۔ دو باب ابھی باقی ہیں اور وہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں اسلام کے نظام اجتماعی کا نقشہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ پیش کیا جائے گا جس سے اسلامی زندگی کی پوری تصویر سامنے آجائے گی اور ایک ہی مرقع میں لوگ دیکھ لیں گے کہ یہاں اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، عدل و قانون، اور بین الاقوامی تعلقات کے مختلف شعبوں کو کس شکل میں، کس طریقہ سے اور کس تناسب کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ یہ اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو آئندہ نکلنے والی ہیں، ان کی اشاعت کا بھی کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ بار بار لوگوں سے اعانت کی اپیل کی جائے، میں زیادہ مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ انہی رسالوں کی قیمت میں لاگت پر اتنا اضافہ کر دیا جائے کہ اس سے دوسرے رسالوں اور کتابوں کی اشاعت کے لیے سرمایہ بہم پہنچ جائے۔ اس طرح چند اشخاص پر زیادہ بار پڑنے کے بجائے بہت سے اشخاص پر تھوڑا تھوڑا بار پڑیگا، اور اس نشر و تبلیغ کا

سلسلہ وسیع کرنے میں زیادہ آسانی ہو گی۔

---

میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں دین کے لیے ایثار و قربانی کا جو تھوڑا بہت جذبہ باقی ہے وہ مالداروں سے زیادہ غریبوں میں پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر وہ لوگ شکایت کریں گے جو سو روپے دینے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کہیں گے کہ تم اس سعادت کو مالداروں کے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہو۔ اور ہمیں محض اس بنا پر محروم کر رہے ہو کہ ہم مالدار نہیں ہیں لیکن درحقیقت میں ان کو محروم کرنا نہیں چاہتا۔ ان کے لیے اس سعادت میں حصہ لینے کی ایک دوسری صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ حسب حیثیت ان کتابوں اور رسالوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید کر قوم کے اُن طبقات تک پہنچانے کی کوشش کریں جن کی اصلاح مقصود ہے۔ میں دراصل ایک شفاخانہ قائم کر رہا ہوں۔ دین داروں میں سے جو مالدار ہیں وہ اس شفاخانہ کے قائم کرنے میں حصہ لیں۔ اور ان میں سے جو غریب ہیں وہ اس کی دوا مریضوں تک پہنچانے میں حصہ لیں۔ اصلی سعادت یہ ہے کہ آپ کے دل میں قومی امراض کے استیصال اور شفائے ربانی کے ایصال کا جذبہ ہو۔ آپ کا دل ایک ایسی ماں کا سا دل ہونا چاہیے جو اپنے بچوں کو بیمار دیکھ کر بے چین ہو جاتی ہے، اور ان کے علاج میں کسی امکانی کوشش اور کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ آپ جن لوگوں میں رہتے ہیں، جن سے ملتے جلتے ہیں، جن کے ساتھ آپ کو کسی نہ کسی طرح سابقہ پیش آتا ہے، ان میں دیکھیے کہ کون کون بیمار ہیں، اور کس کس مرض کے بیمار ہیں۔ جو شخص جس مرض میں مبتلا ہو اسی مرض کی دوا اس کو دیجیے۔ زندقہ و الحاد کا مریض ہو، اسے "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" پڑھائیے۔ وطن پرستی کا بیمار ہو، اس کو "قومیت اسلام" دیجیے۔ کمیونزم کا حملہ کسی پر ہو گیا ہو، اس کا علاج "سود" کے مضمون سے کیجیے۔ آزادیٔ نسواں کی بیماری میں "پردہ" کی خوراک استعمال کرائیے۔ فرنگیت کے بیماروں کو "اشارات" کے مختلف مجموعے

دیجیے غرض جتنی وبائیں آج کل آپ کی قوم میں پھیلی ہوئی ہیں ان کو مٹانے پر کمربستہ ہو جائیے اور اپنے وقت، اپنے مال اور اپنی محنت کا کچھ حصہ خدا کے دین اور اس کے رسول کی امت کے لیے بھی نکالیے کہ ان چیزوں پر محض آپ کے نفس ہی کا حق نہیں ہے بلکہ خدا اور اس کے رسول کا بھی حق ہے آپ خدا کے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں تو خدا کا ثواب اتنا سستا نہیں کہ محض دس پانچ روپے دیکر خرید لیا جائے۔ اس کے لیے جہاد کی ضرورت ہے، اور جہاد یہی ہے کہ آج رسول اللہ کے گھر میں جو آگ لگ رہی ہے اس کو بجھانے کی کوشش کیجیے۔

---

ان صفحات میں اسلامی ہند کے مستقبل پر جو بحث شروع کی گئی ہے اس کا سلسلہ آگے بڑھانے سے پہلے ایک بات کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بحث میں ہمارے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جو مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔ اور جن کی نگاہ میں زندگی کے تمام مسائل سے زیادہ اہم اور اقدم سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام نہ صرف قائم اور باقی رہے، بلکہ اس کو عزت اور طاقت حاصل ہو۔ باقی رہے وہ لوگ جو وقت کے مسائل کو صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، اور جن کی نگاہ میں مسلمان ہونا یا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اور جو سیاسی و معاشی فلاح کو دوسرے تمام مسائل پر مقدم رکھتے ہیں، تو وہ سرے سے ہمارے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا ہم سے بحث کرنا بالکل فضول ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مشترک بنیاد نہیں ہے۔ وہ ایک جہاز کے مسافر ہیں۔ اور ہم دوسرے جہاز کے۔ ان کو صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے سیاسی آزادی اور معاشی استقلال کی ضرورت ہے، عام اس سے کہ مسلمان رہیں یا نہ رہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے لیے مسلمان رہنے کا سوال ہی اصل سوال ہے، اور ہندوستان کی آزادی ہم اس لیے اور اس شرط پر چاہتے ہیں کہ وہ اس

سرزمین پر اسلام کی عزت قائم کرنے میں مددگار ہو۔ پس جو مسلمان سیاسی معاملات میں حصہ لے رہے ہیں ان کے درمیان سب سے پہلے یہی امتیاز قائم ہونا چاہیے کہ وہ ان دونوں راستوں میں سے کس راستہ کے مسافر ہیں۔ جو لوگ "ہندوستانیت" کی راہ پر ہیں وہ اپنی راہ پر جائیں، ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ان سے صرف اتنا کہیں گے کہ براہ کرم منافقت چھوڑ دو اور اپنی پوزیشن صاف طور پر ظاہر کر دو تاکہ کوئی دھوکا نہ کھائے۔ اور جو لوگ "اسلامیت" کی راہ پر ہیں وہ ہمارے ہم سفر ہیں ہماری اور ان کی منزل مقصود ایک ہے۔ معرض بحث میں صرف یہ سوال ہے کہ اس منزل کی طرف جانے کے لیے صحیح راستہ کونسا ہے۔ وہ جس راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں اس کا صحیح ہونا ثابت کر دیں، ہم دل و جان سے اُن کے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر وہ راستہ غلط ہے تو پھر اخلاص کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اُس راستہ کی طرف آئیں جس کا صحیح ہونا ثابت کر دیا جائے۔ کم از کم دین و ملت کے معاملہ میں مسلمان کے اندر نفسانیت اور کبر و عُجب نہ ہونا چاہیے۔ کسی حق پرست کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی طریقہ پر صرف اس لیے اڑا رہے کہ وہ اُس پر چل پڑا ہے اور اب پلٹنے میں اس کی عزت (جھوٹی عزت) کو ٹھیس لگتی ہے۔

چند غلط فہمیاں تھیں جن کو دور کرنے کے لیے اس توضیح کو آج کی صحبت کا دیباچہ بنانا ضروری سمجھا گیا۔ اب ہم کو اس مقام سے چلنا ہے جہاں سے پچھلی صحبت کا سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

---

ہماری منزلِ مقصود جیسا کہ اشارۃً اوپر عرض کر دیا گیا، صاف اور واضح طور پر یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام نہ صرف قائم رہے، بلکہ عزت اور طاقت والا بن جائے۔ آزادی ہند ہمارے نزدیک مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ اس اصل مقصد کے لیے ایک ضروری اور ناگزیر وسیلہ ہونے کی حیثیت سے مقصود ہے۔ ہم صرف اُس آزادی کے لیے لڑنا چاہتے ہیں، بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اپنے مذہب کی رو سے لڑنا فرض جانتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ ملک کلیتہً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے۔

لیکن اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ جیسا دار الکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بدتر ہو جائے تو ہم بلا کسی مداہنت کے صاف صاف کہتے ہیں کہ ایسی آزادی وطن پر ہزار مرتبہ لعنت ہے، اور اس کی راہ میں بولنا، لکھنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا اور جیل جانا سب کچھ حرام قطعی حرام ہے۔

یہ ایسی صاف بات ہے جس میں دو رائیں ہونے کی کوئی گنجایش ہی نہیں خصوصاً جو شخص قرآن اور سنت پر نظر رکھتا ہے اور منافق نہیں ہے وہ تو اس کے برحق ہونے میں چون و چرا نہیں کر سکتا۔

---

منزل مقصود کا انتہائی مقام یعنی ہندوستان کو کلیتہً دار الاسلام بنانا تو اتنا بلند مقام ہے کہ آج کل کا کم ہمت مسلمان اس کا قصد کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا۔ خیر جانے دیجیے اس کو اس سے فروتر درجے میں جس مقصد کے لیے ہم کو لڑنا چاہیے وہ کم سے کم یہ ہے کہ ہندوستان نہ تو بیرونی کفار کے تسلط میں رہے اور نہ اندرونی کفار کے کامل تسلط میں چلا جائے، بلکہ آزاد ہو کر شبہ دار الاسلام بن جائے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لیجیے کہ شبہ دار الاسلام سے کیا مراد ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے معنی یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کے سے نام رکھنے والوں کو اسمبلیوں اور کونسلوں کی نشستیں اور سرکاری عہدے مل جائیں اور ہندوستان کے معاشی ثمرات میں ان کو بھی متناسب حصہ ملے، اور آزاد ہندوستان کی تمام عمرانی ترقیات سے (خواہ وہ ترقیات کسی صورت میں ہوں) انھیں بلا امتیاز مستفید ہونے کا موقع ملے، تو ہم کہیں گے کہ وہ غلطی پر ہے ہم جس چیز کو شبہ دار الاسلام سمجھتے ہیں، اور جو چیز درحقیقت اس نام سے موسوم ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت میں ہم محض "ہندوستانی" ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ "مسلمان" ہونے کی حیثیت سے حصہ دار ہوں، اور ہمارا یہ حصہ اس حد تک طاقت ور ہو کہ:۔

(۱) ہم اپنی قوم کی تنظیم اصول اسلامی کے مطابق کر سکیں یعنی ہم کو حکومت کے ذریعہ سے اتنی قوت

حاصل ہو کہ ہم مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکیں، ان کے اندر غیر اسلامی طریقوں کے رواج کو روک سکیں، ان پر اسلامی احکام جاری کر سکیں، اور اپنی قوم میں جو اصلاحات ہم خود اپنے طریق پر نافذ کرنے کی ضرورت سمجھیں ان کو خود اپنی طاقت سے نافذ کر سکیں مثلاً زکوٰۃ کی تحصیل، اوقاف کی تنظیم، قضاء شرعی کا قیام، قوانین معاشرت کی اصلاح وغیرہ۔

(۲) ہم اس ملک کے نظم و نسق اور اس کی تمدنی و معاشی تعمیر جدید میں اپنا اثر اس طرح استعمال کر سکیں کہ وہ ہمارے اصول تمدن و تہذیب کے خلاف نہ ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ وسیع پیمانہ پر تمام ملک کی اجتماعی زندگی اور معاشی تنظیم اور تدبیر مملکت کی مشین جو شکل بھی اختیار کریگی اس کا اثر دوسری قوموں کی طرح ہماری قوم پر بھی پڑے گا۔ اگر یہ تعمیر جدید اُس نقشہ پر ہو جو اپنے اصول و فروع میں کلیتہً ہماری تہذیب کی ضد ہے تو ہماری زندگی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے ناگزیر ہو جائیگا کہ یا تو ہم تمدن و معیشت کے اعتبار سے غیر مسلم بن جائیں، یا پھر ہماری حیثیت اس ملک میں تمدنی و معاشی اچھوتوں کی سی ہو کر رہ جائے۔ اس نتیجہ کو صرف اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ ہند جدید کی تشکیل پر ہم اپنا اثر کافی قوت کے ساتھ ڈال سکیں۔

(۳) ہندوستان کی سیاسی پالیسی میں ہمارا اتنا اثر ہو کہ اس ملک کی طاقت کسی حال میں بیرونِ ہند کی مسلمان قوموں کے خلاف استعمال نہ کی جا سکے۔

---

یہ مقصد جس کی ہم نے توضیح کی ہے وہ کم سے کم چیز ہے جس کے لیے ہم کو لڑنا چاہیے مدافعت کا پہلو صرف کمزور اختیار کرتے ہیں، وطن کا آخری انجام شکست ہے۔ اگر آپ اپنا مقصد صرف اُن حقوق کے حصول کو بناتے ہیں جن کا اطمینان کانگریس نے اپنے "بنیادی حقوق" والے ریزولیوشن میں دلایا ہے تو آپ دھوکے میں ہیں۔ آپ کی تہذیب، زبان، پرسنل لا اور مذہبی حقوق کا تحفظ بھی (جسے آپ کافی سمجھے بیٹھے

ہیں) دراصل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ فارورڈ پالیسی اختیار کرکے حکومت کی تشکیل میں طاقت ور حصہ دار بننے کی کوشش کریں۔ اس میں اگر آپ نے غفلت کی اور حکومت کا اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو مسلمان نہیں ہیں تو یقین رکھیے کہ کوئی کانسٹی ٹیوشن آپ کو من حیث المسلم ہلاک ہونے سے نہ بچا سکے گا۔ انگریزی حکومت نے بھی آپ کے بہت سے حقوق تسلیم کر رکھے ہیں، مگر غور کیجیے وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو خود اپنے حقوق سے دست بردار کرا دیا؟ انگریز نے آپ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ اپنی زبان میں لکھنا پڑھنا، بولنا سب چھوڑ دو اور میری زبان اختیار کر لو؟ پھر کیا چیز ہے جس نے آپ کی قوم کے ہزاروں لاکھوں افراد کو اپنی زبان سے بیگانہ بنا دیا اور انگریزی کا آشنا غلام بنایا کہ وہ اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور بچوں تک سے انگریزی بولنے لگے؟ انگریز نے آپ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ تم نماز روزہ چھوڑ دو، زکوٰۃ نہ دو، شراب پیو، اور اپنے مذہب کے سارے احکام کو نہ صرف بالائے طاق رکھ دو بلکہ ان کا مذاق تک اڑاؤ۔ پھر کس چیز نے آپ کی قوم کے لاکھوں کروڑوں افراد کو ایک صدی کے اندر اپنے دین و ایمان سے عملاً منحرف کر ڈالا؟ انگریز نے آپ سے کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ اپنی معاشرت بدل دو، اپنا لباس بدل دو، اپنے مکانوں کے نقشے بدل دو، اپنے آداب و اخلاق بدل دو، اپنی صورتیں بگاڑ دو۔ اپنے بچوں کو انگریز بناؤ، اپنی عورتوں کو میم صاحب بناؤ، اپنے تمدن اور اپنی تہذیب کے سارے اصول چھوڑ کر پوری زندگی ہمارے نقشے پر ڈھال لو۔ پھر وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ سے یہ سب کچھ کرا ڈالا؟ ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچیے۔ کیا اس کا سبب غیر مسلم اقتدار کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ ڈھائی تین لاکھ انگریز چھ ہزار میل دور سے آتے ہیں۔ آپ سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ قصداً آپ کے اندرونی معاملات اور آپ کے تمدنی و معاشرتی مسائل میں دخل دینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کے اقتدار کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بیرونی جبر سے نہیں بلکہ اندرونی انقلاب سے آپ کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور آپ خود بخود اپنے اُن بنیادی اور فطری حقوق تک سے دست بردار ہو جاتے ہیں جن کو کوئی حکومت اپنی رعایا سے نہیں چھینتی اور نہیں چھین سکتی۔ اب ذرا اندازہ لگائیے کہ اگر آزاد ہندوستان کی حکومت غیر اسلامی نقشہ

پر بن گئی اور اس کا اقتدار ان ہندوستانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو مسلمان نہیں ہیں، تو اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ وہ انگریزوں کی طرح قلیل التعداد بھی نہیں۔ آپ سے الگ تھلگ رہنے والے بھی نہیں۔ اور پھر غیر ملکی بھی نہیں ہیں کہ سیاسی پالیسی ان کو تمدنی و معاشرتی مسائل میں دخل دینے سے روکے۔ ان کے اقتدار میں آپ کے اندرونی تحول و انقلاب کا کیا حال ہوگا اور کانسٹی ٹیوشن کی کون کونسی دفعات آپ کو خود اپنے حقوق کی پامالی سے روکیں گی؟

---

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، مسلمانوں کے لیے ایسی آزادی وطن کے لیے لڑنا تو قطعی حرام ہے جس کا نتیجہ انگلستانی غیر مسلموں سے ہندوستانی غیر مسلموں کی طرف اقتدار حکومت کا انتقال ہو۔ پھر ان کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ وہ اس انتقال کے عمل کو بیٹھے ہوئے خاموشی سے دیکھتے رہیں، اور ان کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ اس انتقال کو روکنے کے لیے انگلستانی غیر مسلموں کا اقتدار قائم رکھنے میں معاون بن جائیں۔ اسلام ہم کو ان تینوں راستوں پر جانے سے روکتا ہے۔ اب اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں اور ہندوستان میں اسلام کا وہ حشر دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو اسپین اور سسلی میں ہو چکا ہے تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم آزادی ہند کی تحریک کا رخ حکومت کفر کی طرف سے حکومتِ حق کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں اور اس غرض کے لیے ایک ایسی سرفروشانہ جنگ پر کمربستہ ہو جائیں جس کا انجام یا کامیابی ہو یا موت۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

---

اوپر کی سطروں میں ہمارا نصب العین پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔ ہم آزادی ہند کے مخالف نہیں، بلکہ ہر آزادی خواہ سے بڑھ کر اس کے خواہشمند ہیں اور اس کے لیے جنگ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، لیکن

وطن پرست کے نصب العین سے ہمارا نصب العین مختلف ہے۔ وہ صرف ایسی آزادی چاہتا ہے جس کا نتیجہ "ہندوستانی" کی نجات ہو۔ اور ہم وہ آزادی چاہتے ہیں جس کا نتیجہ "ہندوستانی" کے ساتھ "مسلم" کی نجات بھی ہو۔

نصب العین کی اس تعیین کے بعد ہمیں جس سوال پر اپنی تمام قوت فکر صرف کر دینی چاہیے وہ طریق جنگ کا سوال ہے۔ یہ سوال نظریات سے حل کرنے کا نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق عملی سیاست سے ہے۔ ہم کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے ایسی ہی تدبیریں سوچنی ہیں جن کے ذریعہ سے کامیابی کے حصول کی زیادہ سے زیادہ امید کی جا سکتی ہو۔ سب سے زیادہ پریشانی کا سبب یہ ہے کہ بہت قیمتی وقت ہم کھو چکے ہیں۔ اور بہت ہی کم وقت اب باقی ہے۔ جو خطرات آج ہم کو چونکا رہے ہیں وہ دراصل ۱۹ء میں پوری طرح نمایاں ہو چکے تھے اور ۳۰ء و ۳۱ء میں تو ایک اندھا بھی ان کو دیکھ سکتا تھا۔ جو کچھ آج ہم سوچ رہے ہیں اس کو سوچنے اور عمل شروع کر دینے کا اصلی وقت وہ تھا۔ مگر افسوس کہ ہمارے سردار محض فضول حرکات میں اپنا وقت گنواتے رہے، اور انہوں نے اپنی قوم کو سنبھالنے کے لیے کچھ بھی نہ کیا۔ اب کہ طوفان ہمارے سر پر آ چکا ہے، ہم بہت سی اُن تدبیروں کو چھوڑ دینے پر مجبور ہیں جو کارگر ہیں مگر دیر طلب ہیں۔ ہمیں اب وہ طریقے اختیار کرنے چاہییں جو تھوڑے وقت میں کوئی مفید نتیجہ پیدا کر سکیں۔

---